بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آزاد، حالی، شبلی اور نذیر احمد میں اردو کا سب سے بڑا انشا پرداز کون ہے؟

ہمارے اُردو لٹریچر کے اربعہ عناصر یعنی شبلیؔ حالیؔ نذیر احمد اور مولانا آزاد کا نام نامی آسمان شہرت پر آفتاب بنکر چمکا ہے، جنکے خامۂ جادو نگار کی دایہ نے دربار شاہجہانی کی اس ننھی سی چھوکری کو مدتون کی جانفشانیوں کے بعد پال پال کر اس لائق کر دیا ہے کہ وہ اپنی ہمسایہ بہنون کے پاس جہان نخلی نہیں بیٹھ سکتی تھی، اب چار چار آنکھیں ملانے لگی ہے، ورنہ ایک وقت تھا کہ اردو کا دائرہ اسقدر تنگ اور غیر وسیع تھا کہ بیچاری گمنامی کے ظلمات میں جا پڑی تھی، علوم وفنون کا اس کے یہاں بہت کم وجود تھا، ادبی تاریخی اور فلسفیانہ حیثیت سے بالکل کوری تھی، البتہ اس کے مرتبوں کے دفتر میں شعرا کا نام تھا جو اسے عالم خیال کی سیر کراتے مگر واقعات کے میدان سے دور ہی دور لئے پھرتے تھے، مگر فللہ الحمد کہ ایک مدت کے بعد ان بزرگوں (شبلی حالی نذیر احمد اور آزاد) کے سہارے پر گمنامی کے عالمگیر تاریکی سے اس نے جو سر نکالا تو تو آفتاب شہرت کی شعاعیں اسپر عکس فگن تھیں، اس سماں کو دیکھکر اپنی اس عالم بیکسی پر انکی ذرہ نوازیوں کو یاد کر کے بزبان حال وہ بول اٹھی،

شاہان چہ عجب گر بنوازند گدا را "

لیکن اتفاق سے اندنوں بعض علمی حلقوں میں یہ سوال گشت لگا رہا ہے

ہے کہ اردو کا سب سے بڑا انشا پرداز ان چاروں بزرگوں میں سے کون ہے، سو خاکسار کا اس باب میں نتیجہ فکر یہ ہے کہ اردو کا سب سے بڑا انشا پرداز محمد حسین آزاد ہے اردوئے معلی کا ہیرو ہے آگے چلکر ہم اس کو بخوبی ثابت کریں گے، مگر اول اول ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ انشا پردازی کا اطلاق کن کن اشیا پر ہوتا ہے، انشا پردازی اعلےٰ درجہ کی لٹریری قابلیت کا نام ہے جسکو فصاحت اور بلاغت کے بیمثل پیرایہ میں اس طرح ادا کیا جائے کہ اگر کسی واقعہ یا تخیّل کی تصویر کھینچنی منظور ہو تو اس کی زندہ تصویر کا سماں آنکھوں کے روبرو پھر جائے، فصاحت سے یہ مطلب ہے کہ الفاظ ثقیل بھدے اور غیر مانوس نہوں اور قواعد صرفی کے رو سے صحیح ہوں، اور روزمرہ اور محاورہ اگرچہ ایک جداگانہ وصف سمجھا جاتا ہے، لیکن درحقیقت وہ فصاحت ہی کا ایک فرد خاص ہے[1]، بلاغت اسے کہتے ہیں کہ کلام فصیح مقتضائے حال کے مناسب ہو، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اگر خوشی اور فرحت کا موقع ہو تو سرور و انبساط کی روح پھونکی جائے، اگر غم و الم کی داستان بیان کرنی ہو تو رنج و مصیبت کی تصویر کھینچی جائے، مگر اکثر مواقع ایسے آپڑتے ہیں کہ جہاں کلام کا نشتر دل پر اسی وقت کھٹکتا ہے جبکہ اسکو گوناگوں طریقہ سے تشبیہ، استعارے اور ضرب الامثال کے قالب میں ڈھال دیا جائے، کیونکہ یہ چیزیں حسن کلام کا زیور ہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ نظم و نثر تصویر اور تحریر میں جو کچھ جادوگری ہے، بہت کچھ انہی کی بدولت ہے[2]، بشرطیکہ اسمیں اعتدال ہو ورنہ اصل مضمون خاک میں ملجائیگا اور فسانہ عجائب اور پنج رقعہ کے مضامین کی طرح مقصود مبالغہ کے کانٹوں میں الجھکر رہجائیگا، اسکی مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ مثلاً کوئی اپنے بیٹے کے مرجانے پر بجائے یہ کہنے کے کہ "میرا عزیز بیٹا مر گیا" یوں کہے کہ "میری آنکھ پھوٹ گئی" یا "میرا گل مرجھا کر

[1] دیکھو موازنہ انیس و دبیر صفحہ ۲، تعریف فصاحت [2] موازنہ انیس و دبیر صفحہ ۵،

خاک پر گر گیا" تو مضموں کہاں سے کہاں تک بلند ہو جاتا ہے،
اسی طرح ضرب الامثال اور تشبیہات بھی لٹریچر کی روح خیال کیجاتی ہیں جیسے
"دو دلی دو راست، ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، چھوٹا منھ بڑی بات" وہ جملے ہیں
جن سے بڑے سے بڑے مضمون کو باتوں باتوں میں ادا کر سکتے ہیں، کبھی معشوق کیلیے
گل، زلف کے لیے بنفشہ، آنکھ کے لیے نرگس، قاصد کے لیے باد سحر، لاکر کلام کو
بہت بلیغ بنا دیتے ہیں، اسی طرح کلیجہ پر سانپ لوٹنا، ہوا سے باتیں کرنا آسمان سے
زمیں پنوانا، وہ جملے ہیں جو کلام کے لطف کو دوبالا کر دیتے ہیں، غرضیکہ
یہ وہ چیزیں ہیں جن کے بغیر بعض اوقات انشا پردازی کا جمال قائم نہیں رہسکتا
"خلاصہ یہ کہ انشا پردازی کے لیے حسب ذیل چیزیں ازبس لازمی ہیں"

(۱) کلام کا فصیح ہونا، یعنی عیوب ثلاثہ سے پاک صاف ہونا، اگر اس کے
ساتھ ساتھ روزمرہ اور محاورات بھی ہوں تو کلام کی فصاحت اور بڑھ جائیگی، کیونکہ
یہ چیزیں اسکا ایک فرد خاص ہیں،۔

(۲) کلام کا بلیغ ہونا، اور اس کے لئے مناسب موقع پر تشبیہہ استعارہ اور
ضرب الامثال سے کام لینا جو لٹریچر کی جاں ہیں اور حسن کلام کا زیور،

(۳) معانی کا بلیغ ہونا، کیونکہ اعلےٰ درجہ کی بلاغت معانی کی بلاغت ہے،
الفاظ سے اسکا چنداں تعلق نہیں، محض مضامیں کو بلیغ یا غیر بلیغ کہہ سکتے ہیں،
"بلاغت الفاظ درحقیقت بلاغت کا ابتدائی درجہ ہے"[1]۔

غرضیکہ انشا پردازی کے شرائط یہ ہیں، جنکا ایک ادیب یا انشا پرداز میں پایا جانا
لازمی ہے، اب دیکھنا یہ ہے یہ کہ انشا پردازی کی یہ تعریف کس کے کلام پر بدرجۂ
اتم صادق آتی ہے، تاکہ اس کو سب پر فوقیت دیجائے، مگر اسکے معلوم کرنے کا

[1] موازنہ انیس دبیر صفحہ ۴۲،

ایک اور بھی ذریعہ ہے وہ یہ کہ اگر ان بزرگوں میں سے کوئی صاحب کسی خاص فن کے دائرہ میں مقید نہ ہونگے بلکہ اس سے نکلکر ہر قسم کے تخیلات پر بھی بہ نسبت دوسروں کے نہایت کامیابی کے ساتھ بہت کچھ لکھ سکتے ہیں تو ان کو اس حیثیت سے دوسروں پر ترجیح ہوگی، لیکن مشکل یہ ہے کہ ان بزرگوں نے ایک ہی مسئلہ پر بہت کم قلم آزمائی کی ہو، البتہ کہیں کہیں بعض بعض مقامات متحدالمعنا میں نظر آگئے ہیں جن کو بطور موازنہ کے طور پر پیش کرنا چاہتے ہیں،

علامہ شبلی شیراز کی مشہور سیرگاہ چشمۂ رکنا باد کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں،

"رکنا باد جو ایک چشمہ ہے شیراز کی مشہور سیرگاہ ہے، اب تو محض ذرا سی نہر رہگئی ہے، خواجہ صاحب کے زمانہ میں وسیع چشمہ ہوگا، اس کے کنارے بیٹھ کر لطف اٹھاتے ہیں، دوست احباب جمع ہوتے ہیں، ہر قسم کی صحبتیں رہتیں، اکثر اشعار میں مزے لے کر اسکا ذکر کرتے ہیں،

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت　　کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلیٰ را[۱]

آزاد اسکو یوں فرماتے ہیں"

"زمین مذکور سبزہ و گل کا وطن ہے، خصوصاً فصل بہار میں کہ جب سبزہ فرش خاک پر زمرد سجاتا ہے، پھول سبزہ کے سر پر تاج رکھتا ہے، در و دیوار سے بہار برستی ہے، شادابی ہوا میں موجیں مارتی ہے، شیراز کے گلزار، خاک مصلےٰ، چشمہ رکنا باد، اصفہاں کے مرغزار، کوہ الوند کی چوٹیاں، اور دامن پھولوں سے بھرے، ان کے اتار چڑھاؤ پر پانی کی چادریں گرتی ہیں، اور گھاٹیوں میں گرجتے بادلوں کی طرح گرداگرداتی چلی جاتی ہیں انہیں میں سے لہراتی لہریں نکلتی ہیں۔ ہلکی جھکتی ہوا میں کبھی ابر کبھی بادلوں کی بہار، کبھی منہ کا پھوار،

[۱] شعر العجم جلد دوم صفحہ ۲۲۱۔

بدُ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت ۔۔۔۔ کنار آب رکناباد و گلگشت مصلیٰ را[۱]

اب غور سے دونوں بزرگوں کی عبارت کو دیکھو، کسقدر فرق نظر آتا ہے، دکھانا تو یہ ہے کہ خواجہ صاحب کے سامان تفریح چشمۂ رکناباد کے کنارے کس قسم کے تھے، مگر آزاد نے ان کے لئے ایک خاص طرز بیان ایجاد کیا ہے جو علامہ کے یہاں بہت پھیکا ہے، خصوصًا خط کشیدہ جملے بہت پر شکوہ اور فصیح ہیں جنھیں محاورہ کے طور پر اکثر بولا کرتا ہیں"

گلستان سعدیؒ کی عالمگیر شہرت اور اسکی عام مقبولیت پر مولانا حالی لکھتے ہیں، اگرچہ اس کے ساتھ بوستان کا بھی ذکر ہے۔

"ان دونوں کتابوں کو شیخ کے کلام کا لب لباب کہنا چاہئے، ظاہرا فارسی زبان میں کوئی کتاب اس سے زیادہ مقبول خاص و عام نہوئی،..........

بچپن میں اسکی تعلیم شروع ہوتی ہے، اور بڑھاپے تک مطالعہ کا شوق رہتا ہے، لاکھوں استادوں نے انہیں پڑھایا، اور کروروں شاگردوں نے انہیں پڑھا، اس کے بیشمار نسخے خوشنویسیوں کے قلم سے لکھے گئے، اور بے انتہا اڈیشن ٹوپے اور پتھر پر چھاپے گئے، مشرق اور مغرب کی اکثر زبانوں میں ان کے ترجمے ہوئے، مشائخ اور علمانے اسکی قدر کی[۲]"

آزاد اسپر فرماتے ہیں،

"عجائب اتفاق سے ہے کہ اس محمدی کے ۶۵۶ھ میں شیخ سعدی کی زبان پر جوش طبیعت نے ایک چشمہ کھولدیا، اس میں فصاحت نے شربت اور سلاست نے دودھ بہایا، اور گلستان ایک ایسی کتاب سرسبز ہوئی جسکا آجتک جواب نہیں، ادنے سے اعلےٰ تک کوئی پڑھا لکھا نہوگا جس نے اس سے سبق نہ پڑھے ہوں، مگر

[۱] سخندان پارس صفحہ ۲۱۲،

اس عالم میں پڑھا ہے کہ گویا نہیں پڑھا، .... عجب تر یہ کہ عالم
عارف اور پارسا سے لے کر بے حیا تک سب پڑھتے ہیں اور اپنے اپنے مزے لیتے ہیں،
پھر کیسی طبیعت اور کیسا مزاج لیکر آیا تھا کہ شاہانہ، فقیرانہ واعظانہ، نصیحت بزرگانہ
جس مضمون کی حکایت کو چاہو پڑھ لو، اسکی شوخی اپنے انداز سے کبھی بھی نہیں چوکتی،
یہ بھی قدرتی اتفاق ہے کہ حسن قبول نے اُسے محبت کے ہاتھوں پر لیا[۵]

آزاد اور حالی کی اس عبارت میں بہت فرق ہے، حالی کی عبارت بالکل سادہ ہے، لیکن آزاد نے کچھ اس ڈھنگ سے لکھا ہے کہ فصاحت کا دریا بہا دیا، اور اسیر خط کشیدہ جملے خاص لطف دیتے ہیں، نذیر احمد کا کوئی مشترک مضمون نہیں ملتا مگر کم سے کم بطور امتحان کے ہم انکی ایک عبارت نقل کئے دیتے ہیں، جسکو انھوں نے لکھکر ایک خاص موقع پر پڑھا تھا، فرماتے ہیں۔

جن دنوں قرآن نازل ہوا ہے، وہ ایک وقت تھا کہ عربی لٹریچر کے جوبن پر بہار آرہی تھی، لوگوں میں یہ مادہ ایسا برسر ترقی تھا کہ کوئی متنفس مذاق شعری سے خالی نہ تھا، یہ تو عربی زبان کے عروج کا زمانہ تھا، یوں بھی عرب کو اپنی بولی پر بلا کا ناز تھا، انھوں نے اپنے سوا دوسروں کا نام رکھا تھا "عجم" یعنی گونگے کہ جن کو بات کرنے کا سلیقہ نہیں، ایسے لوگوں سے کیسی ہی اچھی بات کہی جاتی وہ ہوتی حلیہ فصاحت سے عاری تو ان کے کان پر جوں بھی نہ چلتی، بس ضرور تھا کہ کسی داؤں سے پچھاڑ اجاتے جوان کو خوب اردل تھا، یعنی فصاحت" قرآن نازل ہوا تو جو اپنے اپنے وقت کے سرسید، محسن الملک، سید محمود اور حالی شبلی تھے سب کے چھکے چھوٹ گئے[۶]

ڈپٹی صاحب کی یہ عبارت جسقدر شوخ اور ظریفانہ انداز میں نظر آتی ہے اگرچہ ایک سلیم الطبع انسان کو ناگوار خاطر معلوم ہوگی لیکن انصاف سے دیکھو

[۵] سخندان پارس صفحہ ۶۲، [۶] لکچرز آف ڈپٹی نذیر احمد،

تو انشا پردازی کا اعلےٰ نمونہ ہے مگر تاہم آزاد کے جدت و اختراع کو نہیں پہنچ سکتی، جو آگے چلکر مجموعی حیثیت سے معلوم ہوگا، موازنہ کی یہ چند صورتیں گزر گئیں سب میں آزاد ہی کو مجموعی لحاظ سے ترجیح رہی؛ اور چونکہ اب اس کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اسلئے ہم ہر شخص کے خصوصیات انشا یعنی کلام کی فصاحت بلاغت اور ان کے دائرۂ سخن کے حدود کی تعیین کے متعلق فرداً فرداً مفصل گفتگو کریں گے، جس سے یہ اندازہ لگانا بالکل آسان ہوگا کہ مجموعی حیثیت سے کس کو ترجیح ہے"، چنانچہ پہلے ہم علامہ شبلی کے خصوصیات کلام کو دکھلاتے ہیں، علامہ فرماتے ہیں،

سب سے اخیر کوکبہ نبوی نمایاں ہوا، جس کے پرتو سے سطح خاک پر نور کا فرش بچھا جاتا تھا، حضرت زبیر بن العوام علم بردار تھے، ابوسفیان کی نظر جمال مبارک پر پڑی تو پکار اٹھے کہ حضور نے سنا؟ عبادہ کیا کہتے ہوئے گئے، ارشاد ہوا کہ عبادہ نے غلط کہا، آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے یہ کہکر حکم دیا کہ فوج کا علم عبادہ سے لیکر ان کے بیٹے کو دیدیا جائے[1]،

پھر ایک جگہ فرماتے ہیں،

"جو لوگ اختیار کے قائل ہیں انکا منتہای استدلال یہ ہے کہ انسان کو خدا نے یہ اختیار دیا ہے کہ وہ دو متناقض کاموں میں سے جس کام کو چاہے اختیار کرلے، اسلئے انسان کو ارادہ اور اختیار حاصل ہے اور اسلئے وہ مجبور نہیں کہا جاسکتا، لیکن اسکی تہ میں بھی غلطی ہے، بے شبہ خدا نے انسان کو ارادہ اور قدرت عطا کی ہے، لیکن اس ارادہ پر بھی وہ مجبور رہے، یعنی جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو ایسے اسباب جمع ہوتے ہیں کہ وہ اس کام کے ارادہ پر مجبور ہوتا ہے، لوگوں نے یہ سمجھکر کہ ہمارا نفس بد ہمکو برے کام کا حکم دیتا ہے۔ نفس بد کا نام

[1] سیرت النبی صفحہ ۱۰۳،

نفس امارہ رکھا ہے، لیکن خود یہ نفس امارہ کسکا اسور ہے؟[1]

ان اقتباسات سے پتہ چلتا ہے، کہ علامہ کی عبارت کسقدر صاف شفاف اور سلیس ہوتی ہے، اور مشکل و اطناب طلب مضمون کو وہ کس خوبی سے چند جملوں میں ادا کر دیتے تھے، اسکی بہتیری مثالیں ہم انکے کلام سے پیش کرتے ہیں مگر چونکہ وہ بہت طول طویل ہیں جو کسی طرح یہاں لکھی نہیں جا سکتیں، اسلیئے ہم محض چند حوالے پر اکتفا کریں گے،

(۱) غزوۂ بدر ایک مختلف فیہ تاریخی واقعہ ہے، اسمیں مسلمانوں کے پیش قدمی کے علل اور اسباب کا دریافت کرنا کہ آیا انکا مقصد اس سے مشرکین کے حملوں کا دفاع تھا، یا کارواں قریش کو لوٹنا، ایک معرکۃ الآرا مبحث ہے، اور ضرورت ہے کہ اسکے لیئے سیکڑوں صفحے کم سے کم وقف کر دیے جائیں، مگر علامہ نے کس خوبی سے قرآن وغیرہ کے چند اصول قائم کر کے محض آٹھ صفحوں پر "غزوۂ بدر پر دوبارہ نظر" کے عنوان سے لکھدیا ہے،

(۲) ذبیح کون ہے؟ اس طویل المبحث مضمون کو فقط دو ورق میں باوجود پیچیدہ ہونے کے طے کر دیا،

(۳) مکہ معظمہ کی تعیین کے اختلاف کو تین صفحوں میں ادا کیا"

ان سب باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولانا تاریخ کے مشکل سے مشکل مسائل کو کس آسانی کے ساتھ بات بات میں حل کر دیتے، اور عبارت نہایت سلیس اور رواں ہوتی، اور یہی انکا اصلی کمال ہے، تمام سیرت نبوی، شعر العجم اور ان کی تمام سوانحات کو اٹھا کر دیکھو، سب کو اسی رنگ میں رنگی ہوئی پاؤگے یعنی عبارت سادہ سلیس صاف شفاف اور رواں ہوگی، البتہ سیرت نبوی میں

[1] شعر العجم جلد پنجم صفحہ ۲۱۶،

یں جسکو مولانا نے نہایت جوش اور خروش کے ساتھ لکھی ہے، کہیں کہیں واقعات کے ضمن میں اپنی بہترین انشا پردازی کا جوہر بھی دکھلایا ہے، مگر ان مقامات کو اگر یکجا جمع کر دیا جاے تو زیادہ سے زیادہ اس کے لئے چار ورق درکار ہوں گے، اس جگہ ہم انکی چند بہترین عبارت کو نقل کرتے ہیں، مولانا فرماتے ہیں،

"چمنستان دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں، چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم کو اس سروسامان سے سجائی ہیں، کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہگئیں ہیں، لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کر دے ہیں، سیارگان فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخ کہن مدتہاے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لیے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنان قضا و قدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر و باد کی تیز دستیاں عالم قدس کے انفاس پاک، توحید ابراہیم، جمال یوسف، معجز طرازی موسیٰ، جاں نوازی مسیح، سب اسی لئے تھے کہ یہ متاع ہاے گراں ارز شاہنشاہ کونین کے دربار میں کام آئیں گے، آج کی صبح وہی صبح جانواز وہی ساعت ہمایوں، وہی دور فرخ فال ہے، ارباب سیر اپنے محدود پیرایہ بیاں میں لکھتے ہیں "کہ" آج کی رات ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گرگئے، آتشکدہ فارس بجھ گیا، دریاے سادہ خشک ہوگیا، لیکن سچ ہے کہ ایوان کسریٰ نہیں، بلکہ شان عجم، شوکت روم، اوج چین کے قصرہاے فلک بوس گر پڑے، آتش فارس نہیں بلکہ جحیم شر، آتشکدہ کفر آذرکدہ گمرہی سرد ہو کر رہگئے، صنمخانوں میں خاک اڑنے لگی، بت کدے خاک میں ملگئے، شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک

کر کے جھڑ گئے، توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستان سعادت میں بہار آگئی آفتاب ہدایت
کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں، اخلاق انسانی کا آئینہ پرتو قدس سے چمک اٹھا[1]

اس سے کبھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مولانا نے ولادت نبوی اور اس کے ضمن
میں دیگر تاریخی واقعات کو جس گوناگوں انداز میں دکھلایا ہے اس سے اُن کی
تاریخی واقعات کو نہائیت عمدگی سے قلمبند کرنے کی شہادت ملتی ہے، لیکن خط کشیدہ
جملے تبلاتے ہیں کہ عبارت کی ساری شان فارسی الفاظ کی خوشگوار آمیزش نے رکھ لی
ہے، اگرچہ فی نفسہ ہم اسے برا نہیں کہتے کیونکہ اردو زبان فارسی کی ہمیشہ سے خوشہ
چیں رہی ہے لیکن کسی استاد کے اس مقولہ "کہتے ہیں اسے زبان اردو" جسمیں
نہو رنگ فارسی کا،

پر نظر پڑتی ہے تو کہنا پڑتا ہے کہ اردو کی یہ شان نہونی چاہئیے، تم خود دیکھو،
پیر کہن سال دہر، متاع ہائے گراں ارز، معجز طرازی موسیٰ، آذر کدہ گمرہی، اوج
چیں کے قصر ہائے فلک بوس، کیا یہ جملے اردو جیسی شیریں اور سلیس زبان کے لئے
کسی طرح زیبا ہیں،

پھر ایک جگہ فرماتے ہیں،

"اب ایک طرف نود سالہ پیر ضعیف ہے جسکو دعا ہائے سحر کے بعد خاندان نبوت کا
چشم و چراغ عطا ہوا تھا، جسکو وہ تمام دنیا سے زیادہ محبوب رکھتا تھا، اب
اسی محبوب کے قتل کے لئے اسکی آستینیں چڑھ چکی ہیں، اور ہات میں چھری
ہے، دوسری طرف نوجوان بیٹا ہے جس نے بچپن سے باپ کی محبت آمیز نگاہوں کی
گود میں پرورش پائی ہے، اب باپ ہی کا بہرہ پرور ہات اسکا قاتل نظر آتا ہے،
ملائکہ قدسی فضائے آسمان سے عالم کائنات کا یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے ہیں،"

[1] سیرت نبوی جلد اول صفحہ

اور انگشت بد نداں ہیں کہ دفعتہً عالم قدس سے یہ آواز آتی ہے،

طفلیاں ناز بیں کہ جگر گوشۂ خلیل ۔۔۔ درزیر تیغ رفت و شہیدش نمی کنند

بیٹے نے جس استقلال، جس عزم اور جس حیرت خیز ایثار سے اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کیا، اسکا صلہ یہی تھا کہ رسم (قربانی) قیامت تک دنیا میں اسکی یادگار رہجائے[۱]،

بہرکیف اس ساری داستان سے معلوم ہوا کہ مولانا کی ادبی معرکہ آرائیوں کا جولانگاہ فقط تاریخ ہے جسپر انھوں نے فلسفہ کا رنگ چڑھایا ہے اور انکی عبارت نہایت صاف شفاف اور سلیس ہوتی ہے اسی کو انکا اصلی کمال سمجھنا چاہیے، ملک کا ایک مشہور انشاپرداز لکھتا ہے،

"جس طرح تاریخ میں فلسفہ کا رنگ سب سے پہلے شبلی نے جمکایا ہے اردو کو انشاپردازی کے درجہ پر جس نے پہونچایا وہ آزاد اور صرف آزاد ہیں[۲]"

فصاحت و بلاغت کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ علامہ کی عبارت چونکہ حشو و زوائد سے پاک اور سلاست اور روانی کا بہترین نمونہ ہے اسلئے فصیح ہے، اور مشکل سے مشکل مسائل کو وہ چند لفظوں میں ذہن نشیں کرا دیتے ہیں اسلئے بلاغت کی جان ہے، لیکن ایک بات یہاں اور قابل ذکر ہے وہ یہ کہ روزمرہ اور محاورات وغیرہ کی ان کے یہاں بیحد کمی ہے، تاریخی واقعات وغیرہ سے ہٹکر مولانا نے بہت کم لکھا ہے، شعر العجم میں خیال تھا کہ دائرہ تحقیق سے ہٹکر عام تخیلات پر کچھ لکھیں گے، مگر اسمیں بھی تمامتر تحقیق ہی تحقیق ہے، البتہ ایک جگہ شاعری کی تعریف کرتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"کسی چیز کا بیان جب اس طرح کیا جائے کہ اس شے کی اصل تصویر آنکھوں میں

[۱] سیرت نبوی جلد اول صفحہ ۱۴۷، [۲] افادات مہدی صفحہ ۲۱۶،

پھر جائے تو اسپر شعر کی تعریف صادق آئیگی، دریا کی روانی، جنگل کا سناٹا، باغ کی شادابی، سبزہ کی لہک، خوشبو کی لپٹ، نسیم کے جھونکے، دھوپ کی شدت، گرمی کی تپش، جاڑوں کی ٹھنڈ، صبح کی شگفتگی، شام کی دلآویزی یا رنج وغم، غیظ وغضب جوش ومحبت، افسوس وعبرت، خوشی ان اشیا کا اسطرح بیان کرنا کہ ان کی صورت آنکھوں میں پھر جائے، یا وہی اثر دلپر طاری ہو جائے، یہی شاعری ہے[۱]"

مگر اس قسم کی مثالیں آپ کو بہت کم ملیں گی، غرضیکہ ان کے خصوصیات کلام کی تلخیص حسب ذیل یوں کیجا سکتی ہے۔

(۱) ان کے ادبی فتوحات کا دائرہ محض فلسفہ تاریخ تک محدود ہے، جسکو انھوں نے سلیس صاف اور رواں عبارت میں لکھا ہے،

(۲) انکا کلام فصیح اور بلیغ ہے، البتہ روزمرہ اور محاورات اور امثال وغیرہ کی ان کے یہاں بہت قلت ہے،

(۳) وہ مضامین جو کسی واقعات یا خاص معلومات سے تعلق نہیں رکھتے اور سراسر تخیلات کے دفتر ہوا کرتے ہیں علامہ کے قلمرو سخن کے حدود سے باہر ہیں،

رہے حالی سو ان کے ادبی کارناموں کو دیکھنے کے لئے ہم ان کی کتابوں کے چیدہ چیدہ اقتباسات ذیل میں درج کر دیتے ہیں، جن سے آسانی کے ساتھ ہم ان کے خصوصیات انشا معلوم کر سکتے ہیں، فرماتے ہیں،

مرزا کی نیت آموں سے کسی طرح سیر نہوتی تھی، اہل شہر تحفۃً بھیجتے تھے، خود بازار سے منگواتے تھے، باہر سے دور دور کا آم بطور سوغات کے آتا تھا،

(۱) شعر العجم حصہ اول صفحہ ۱۲،

مگر حضرت کا جی نہیں بھرتا تھا، نواب مصطفےٰ خاں مرحوم ناقل تھے کہ ایک صحبت
میں مولانا فضل حق اور مرزا اور دیگر احباب جمع تھے، اور آم کی نسبت ہر
شخص اپنی اپنی راے بیان کر رہا تھا، کہ اسمیں کیا خوبیاں ہونی چاہییں،
جب سب لوگ اپنی اپنی راے کہہ چکے، تو مولانا فضل حق نے مرزا سے کہا کہ تم بھی
اپنی راے بیان کرو، مرزا نے کہا، بھئی، میرے نزدیک تو آم میں صرف دو باتیں
ہونی چاہییں، میٹھا ہو اور بہت ہو سب حاضرین ہنس پڑے[ل]
پھر ایک جگہ فرماتے ہیں،
"اگرچہ جس زمانہ میں کہ پہلی بار راقم کا دلی جانا ہوا اس باغ میں پت جھڑ
شروع ہو گئی تھی، کچھ لوگ دلی سے باہر چلے گئے تھے اور کچھ دنیا سے رخصت
ہو چکے تھے، مگر جو باقی تھے اور جن کے دیکھنے کا مجھکو ہمیشہ فخر رہیگا، وہ بھی
ایسے تھے کہ نہ صرف دلی سے بلکہ ہندوستان کی خاک سے پھر کوئی ویسا اٹھتا نظر
نہیں آتا، کیونکہ جس سانچے میں وہ ڈھلے تھے وہ سانچہ بدل گیا اور جس ہوا میں
انھوں نے نشو و نما پائی تھی، وہ ہوا پلٹ گئی[ل]"
ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حالی میں ایجاز بیانی کسقدر تھی، وہی
مضمون جو دوسروں کے یہاں کئی صفحوں پر نہیں آسکتا ان کے یہاں اس کے لئے
فقط چند سطرین کافی ہیں، پھر اسپر عبارت کا سلجھاؤ اور اسکا حشو و زوائد سے
پاک صاف ہونا عجیب لطف دیتا ہے، حیات جاوید میں ایک جگہ لکھتے ہیں،
آئین اکبری اول تو زبان اور طرز بیان کے لحاظ سے ایک نئی طرح کی کتاب
تھی، دوسرے جس قسم کے مضامین اسمیں بیان کئے گئے ہیں... فارسی
لٹریچر میں کبھی اس قسم کے مضامین بیان نہیں ہوے تھے، اسلئے اس کے

ل یادگار غالب صفحہ ۶۲، ۶۴، ل یادگار غالب صفحہ ۱۔

پڑھنے سے جی الجھتا تھا، پھر آئین اکبری کے نسخے کاتبوں کے سہو و خطاسے اکثر مسخ ہو گئے تھے، اسلئے اسکا تصحیح کرنا بہت دشوار تھا، سرسید نے اول جہاں تک مل سکے اس کے متعدد نسخے بہم پہونچائے، اسمیں ایک دو نسخہ صحیح بھی مل گیا[۱]
انکی ان عبارتوں کو دیکھکر کہنا پڑتا ہے کہ فن سوانح نگاری میں وہ ایک کہنہ مشق استاد کی حیثیت رکھتے تھے، اور جیساکہ لائف نگاری چاہتی ہے کہ جہانتک ہو اختصار کے ساتھ تمام واقعات زندگی قلمبند کر دے جائیں تاکر پڑھتے وقت طبیعت میں الجھن نہ پیدا ہو، وہ حتی الامکان ایجاز سے کام لیتے اور حشو و زوائد کو ہاتھ نہ لگاتے تھے، عبارت میں ایک خاص سلجھاؤ تھا اور یہی انکا اصلی کمال ہے جس نے انکو ممتاز بنادیا، اس سے قطع نظر کرکے دیکھئے تو وہ اس سے ہٹکر انشا پردازی کے عام منظر پر بھی نکل آئے ہیں، شعر و شاعری کا مقدمہ اسکی بہترین نظیر ہے، مسدس حالی کے دیباچہ میں وہ فرماتے ہیں"

البتہ شاعری کی بدولت چندروز جھوٹا عاشق بننا پڑا، ایک خیالی معشوق کی چاہ میں برسوں دشت جنوں کی خاک اڑائی کہ قیس و فرہاد کو گرد کر دیا، کبھی نالہ نیم شبی سے ربع مسکوں کو ہلا ڈالا، کبھی چشم دریا بار سے تمام عالم کو ڈبو دیا، آہ و فغاں کے شور سے کروبیوں کے کان بہرے ہو گئے، شکایتوں کی بوچھار سے زمانہ چیخ اٹھا، طعنوں کی بھرمار سے آسمان چھلنی ہو گیا، جب رشک کا تلاطم ہوا ساری خدائی کو رقیب سمجھا، یہانتک کہ آپ اپنے سے بدگماں ہو گئے، جب شوق کا دریا امڈا تو کشش دل سے جذب مقناطیسی اور قوت کہربائی کا کام لیا، بارہا تیغ ابرو سے شہید ہوئے .... اور بارہا ایک ٹھوکر سے جی اٹھے، گویا زندگی ایک پیراہن تھا کہ جب چاہا اتار ڈالا اور جب چاہا

[۱] حیات جاوید،

پہن لیا، میداں قیامت میں اکثر گذر رہا، بہشت دوزخ کی بارہا سیر کی،
بادہ نوشی پر آئے، تو خم کے خم لنڈھا دئے، اور پھر بھی سیر نہوے، کبھی خانہ خمار
کی چوکھٹ پر جبہ سائی کی، کبھی مے فروش کے در پہ گدائی کی، کفر سے مانوس
رہے، ایماں سے بیزار رہے، پیر مغاں کے ہاتھ پہ بیعت کی، برہمنوں کے چیلے بنے،
بت پوجے، زنار باندھا، قشقہ لگایا، زاہدوں پر پھبتیاں کہیں، واعظوں کا خاکہ
اڑایا، دیر و بتخانہ کی تعظیم کی، کعبہ و مسجد کی توہین کی، خدا سے شوخیاں کیں،
نبیوں سے گستاخیاں کیں، اعجاز مسیحی کو ایک کھیل جانا، حسن یوسفی کو ایک تماشا
سمجھا، غزل کہی تو پاکسا شہدوں کی بولیاں بولیں، قصیدہ لکھا تو بھاٹ اور باد
خوانوں کے منہ پھیر دئیے[۵]،

اس عبارت کو دیکھکر کہنا پڑتا ہے کہ جسطرح وہ فن لالٹن نگاری کے استاد
تھے وہ ایک کامل انشا پرداز بھی تھے، مقدمہ شعر و شاعری کو انھوں نے اسی رنگ
میں لکھا ہے مگر انکا بہترین کارنامہ سیرت نگاری ہے، ان کے خصوصیات
انشا یہ ہیں،

(۱) سیرت نگاری، اس فن میں جتنی کتابیں انھوں نے لکھی ہے سبکی عبارت
سلیس اور بالکل سادہ ہے،

(۲) لالٹن نگاری سے ہشکر وہ عام تخیلات میں بھی اپنی انشا پردازی کا
بہترین ثبوت دے سکتے ہیں، مقدمہ اسکی دلیل ہے، مگر یہ انکا اصلی کمال نہیں،

(۳) انکا کلام فصیح اور بلیغ ہے، فصیح یوں ہے کہ ان کے یہاں عیوب ثلاثہ سے
عموماً الفاظ پاک ہوتے ہیں اگرچہ زیادہ تر سادہ ہی کیوں نہوں، بلیغ اس وجہ سے
ہے کہ زیادہ تر ان کی تصانیف فن سیرت میں ہے، یہ فن ایجاز طلب ہے اور ایجاز

[۵] دیباچہ مسدس حالی صفحہ ۲،

سلجھاؤ اور حشو زوائد کا نہ ہونا اُن کے کلام کا جزاعظم ہے' اور یہ حد درجہ کی بلاغت ہے کہ جو فن جیسا ہو اسکو اسی رنگ میں ادا کر دیا جائے'

آقائے اردو علامہ نذیر احمد کا اعلیٰ وصف دہلی کی ٹکسالی زبان کو معیار ترقی پر پہونچا دینا ہے' ان کی بے مثل فصاحت اور اعلےٰ درجہ کی بلاغت لٹریچر کی جان ہیں' جسکا اندازہ ان کے اقتباسات کلام سے ہوتا ہے'

فرماتے ہیں' :-

"خداوند کریم کا شکر اپنی گویائی کی بساط بھر تو ادا ہو ہی نہیں سکتا اسکی بندہ نوازیاں اور ہزاروں لاکھوں نعمتوں کی مکافات کا حوصلہ' چھوٹا منھ بڑی بات پیغمبر صاحب کی مدح' اپنی ارادت ناقص کی قدر تو بن ہی نہیں پڑتی ان کی شفقتوں اور دل سوزیوں کی تلافی کا دعوی' اتنی سی جان گز بھر کی زبان[1] "

ان جادو بھرے جملوں کو دیکھو' اور پھر اسپر ضرب الامثال کا اضافہ سونے پر سہاگہ کا کام دیتا ہے' ایک جگہ فرماتے ہیں'

حسن آرا کے مزاج کی افتاد' ایسی بری پڑی تھی کہ اپنے ہی گھر میں سب سے بگاڑ تھا' نہ ماں کا ادب' نہ آپا کا لحاظ' نہ باپ کا ڈر' نہ بھائیوں سے ملاپ' نوکر ہیں کہ آپ نالاں ہیں' لونڈیاں ہیں کہ الگ پناہ مانگتی ہیں' غرض حسن آرا سارے گھر کو سر پر اٹھائے رہتی تھی' شاہ زمانی بیگم کے آنے سے چاہیئے کہ بڑی خالہ سمجھکر حسن آرا گھڑی دو گھڑی کو چپ ہو کر بیٹھ جاتی' کیا ذکر شاہ زمانی بیگم کو پالکی سے اترے دیر نہوئی تھی' کہ لگاتار دو تین فریادیں آئیں' نرگس روتی ہوئی آئی کہ بیگم صاحب دیکھئے چھوٹی صاحبزادی نے

[1] دیباچہ مراۃ العروس صفحہ ۱'

اس زور سے تھپڑ مارا کہ میری آنکھیں پھوٹتے پھوٹتے بچ گئیں، سوسن نے آفریاد کی کہ بیگم صاحب چھوٹی صاحب زادی ہی نے مجھ سے کہا کہ دیکھوں سوسن تیری زبان جوں ہی بنے دکھانے کو زبان نکالی نیچے سے تھوڑی میں ایسا مکا مارا کہ سارے دانت زبان میں بیٹھ گئے، گلاب بلبلا اٹھی کہ ہائے میرا کان خون خون ہو گیا، دائی چلائی کہ دیکھیئے مجھ کمبخت کے ایسے زور سے لکڑی ماری کہ بازو میں بدھی پڑ گئی، باورچی خانہ سے ماما نے دہائی دی کہ اچھے کوئی ان کو سمجھانا سالن کی پتیلیوں میں مٹھیاں بھر بھر کر راکھ جھونک رہی ہیں، شاہ زمانی بیگم نے آواز دی کہ حسنا یہاں آؤ، خالہ کی آواز پہچان بارے حسن آرا چلی تو آئی، نہ سلام نہ دعا، ہاتھوں میں راکھ پاؤں میں کیچڑ اسی حالت میں دوڑ خالہ سے لپٹ گئی، خالہ نے کہا حسنا تم بہت شوخی کرنے لگی، حسن آرا نے کہا اس سنبل چڑیل نے فریاد کی ہوگی، یہ کہکر خالہ کی گود سے نکل لپک کر بیچاری بیقصور سنبل کا سر کھسوٹ لیا، ہتیرا خالہ ایں ایں کرتی رہیں ایک نہ سنی[1]،"

عبارت سے اعلےٰ درجہ کی انشا پردازی ٹپکتی ہے، طرز ادا بہت دلکش ہے اہل زبان کے روزمرہ کا چٹخارہ اگر دیکھنا مقصود ہو، تو اس عبارت کو پڑھیے کہ کس خوبی سے مضمون کو ادا کیا ہے، محاورات کی بھی کثرت ہے،۔

پھر ایک جگہ فرماتے ہیں،

" یوں دیکھنے اور کہنے کو تو حسن آرا اکیلی مکتب میں بیٹھی مگر کوئی درجن بھر لونڈیاں اسکے ساتھ تھیں اور کوئی کوڑی بھر سہیلیاں، لونڈیاں کا تو یہ قاعدہ تھا کہ بے ضرورت بھی ہر دم اور ہر لحظہ چاروں طرف حسن آرا کو گھیرے رہتیں اور کچھ کام نہیں تو بات بات میں خوشامد بات بات پر تعریف، ذرا ٹھکٹھلی کر سب کی سب

[1] نبات النعش صفحہ ۲، ۳،

بول اٹھیں بسم اللہ بسم اللہ، چھینک لی تو سب چلائیں شکر الحمد للہ، نانی جی ہسا کر چپکے ہی چپکے قل ہو اللہ کی تسبیحاں پڑھ پڑھ کر پھونک رہی ہیں، انا ہیں کہ بار باران یکا ذ دم کرتی جاتی ہیں، اور جو کہیں حسن آرا نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو کوئی جلدی جلدی پنکھا جھلنے لگی، کوئی چوری یا رومال ہلانے کھڑی ہو گئی، کوئی بولی واری جاؤں گلوری کھالو یا گوٹے ہی کے دو دانے ڈال لو، دیر ہوئی منہ بدمزہ ہو گیا ہوگا، کوئی کہنے لگی، صدقے گئی، ایک گھونٹ شربت ہی پی لو نگوڑے ہونٹھ ہیں کہ سوکھے جاتے ہیں پپڑیاں بندھ گئی ہیں، بھاڑ میں جلے ایسا پڑھنا اور آگ لگے ایسے مکتب کو، لڑکی کا موہنہ تو دیکھو کیسا ذرا سا نکل آیا ہے، یہ کہکر جلدی سے لپک کر چٹا چٹ بلائیں لے حسن آرا کو گلے سے لگالیا، جس شخص کو حسن آرا کی طرح ایسے لونڈیوں کا غضب الٰہی اور ایسے نوکروں کی بلا مسلط ہو اسکے مزاج کا درست رہنا عجب کی بات ہے، فرشتہ بھی ہو تو ایسی صحبت میں لت پت توبہ بہوتا سے بدتر ہو جائے،

اس عبارت پر نگاہ ڈالو، اہل زبان کے روزمرہ کی بول چال اور اسپر اضافہ یہ کہ محاورات وامثال کی کثرت کو علامہ نذیر نے جس خوبی کے ساتھ اپنے کلام میں جگہ دی ہے، اس سے ان کی انشا پردازی کی غیر معمولی قابلیت کا پتہ چلتا ہے، حق تو یہ ہے کہ دہلی کی ٹکسالی زبان ان کے قلم کے سایہ میں پلکر بام ترقی کے انتہائی زینہ تک پہنچ گئی، اور ان کے قلم کے فیوض وبرکات سے مالا مال ہو گئی، رویاے صادقہ کی وہ عبارت جہاں انھوں نے دہلی کی سوسائیٹی کا نقشہ کھینچا ہی خصوصًا اس بلا کی ہے کہ اسکے متعلق ملک کے ایک مشہور انشا پردار کو یہ کہنا پڑا کہ اس سے بڑھکر چند سطریں لکھنا کسی طرح امکان میں نہیں آسکتا، مجھے تعجب ہے

لہ بنات النعش صفحہ ۱، ۷، کہ ایم مہدی۔

ان لوگوں پر جو بے سوچے سمجھے زباں سے کہہ گذرتے ہیں کہ علامہ نذیر احمد کا کلام بلیغ نہیں، ان کی حقیقت بھیڑوں کے غول سے زیادہ نہیں کہ جس راستہ پر ہولیا اندھے ہوکر اسی پر ہمیشہ ہمیشہ چلتے رہے، انکا منتہای استدلال یہ ہے کہ ان کے لکچرز ٹودی پوائنٹ نہیں ہوتے، بھلا ان سے کوئی پوچھے کہ جس شخص کے لکچروں کا کوئی مستقل عنواں نہیں ہوتا اُن کے ٹودی پوائنٹ ہونے کے کیا معنی؟ ڈپٹی صاحب محض تفریحاً جلسہ میں کھڑے کئے جاتے اور جہانتک ان سے ہوسکتا اپنی جادو اثر تقریر اور اپنی بے مثل فصاحت کا جوہر دکھاتے، کسی خاص مسئلہ پر بولنے کے لیے وہ شاید ہی اسٹیج پر آئے ہوں، اگر بالفرض وہ آتے تو اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ وہ اپنی بمثل قادر الکلامی اور اعلےٰ درجہ کی علمی قابلیت کے ہوتے ہوے ناکام رہجاتے، کیا توبۃ النصوح یا دیگر کتابوں کے لکھنے میں وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہوسے، الحقوق والفرائض میں انھوں نے ایماں بالقدر کے دقیق مسئلہ کو جس خوبی سے ثابت کیا ہے اس سے اں کی بے مثل بلاغت کی داد دینی پڑتی ہے، البتہ اس جگہ ایک بات کھٹکتی ہے وہ یہ کہ ان کے لکچروں یا دیگر تصانیف میں انگریزی وغیرہ کے ثقیل اور غیر مانوس الفاظ اس طرح آگئے ہیں کہ اُن کے کلام کے غیر فصیح ہونیکا دھوکہ ہوتا ہے اگر بشرط انصاف یہ ہے کہ ان سب نکتہ چینیوں سے انکا کلام بے نیاز رہیگا، چنانچہ اس کے متعلق امور ذیل کا لحاظ رکھنا کافی ہے،

(۱) ہر زباں کے فصحا کا قاعدہ ہے کہ وہ دوسری زباں کے بہت سے الفاظ اپنی زباں میں استعمال کرنے لگتے ہیں، مصر و شام میں یورپ کے عام زبانوں کے بہت سے الفاظ معرب ہوکر آگئے ہیں، حالانکہ انکی جگہ خود اں کی زبان میں الفاظ موجود ہوتے ہیں، جیسے پروانہ راہداری کو قدیم عربی میں تذکرہ مرور کہتے ہیں مگر مصریوں نے اس کے ہوتے ہوے پاسپورٹ کا معرب بسابورط بنا لیا ہے،

(۲) ان کے یہاں ایسے الفاظ بہت کم آپ کو ملیں گے لہذا اس قلتِ عیوب کی کثرتِ محاسن کے مقابلہ میں کچھ وقعت نہیں، اور نہ اس سے ان کی فصاحت پر کچھ دھبہ آتا ہے مرزا غالب اردو کے مسلم الثبوت شاعر ہیں مگر نقادان سخن اکثر ان کے کلام پر سخت چوٹ کر بیٹھتے ہیں، لیکن کیا اس معمولی خامیوں سے ان کے اصلی کمال کو کوئی صدمہ پہونچتا ہے گلاب کا پھول دنیا کی بہتریں نعمت ہے مگر اسکا حال یہ ہے کہ کانٹوں میں الجھا ہوا ہوتا ہے،

(۳) ہم نے مانا کہ ایسے الفاظ حلیہ فصاحت کے لیئے زیبا نہیں، مگر انھوں نے اُنھیں کچھ اسطرح ادا کیا ہے کہ یہی الفاظ جو دوسروں کے یہاں بیگانہ ہیں، ان کے زور بیان میں آ آ کر اس طرح جذب ہوگئے ہیں کہ اجنبیت کا ذرہ برابر احساس نہیں ہوتا اور نہ اس سے ان کے مخصوص طرز کو کچھ صدمہ پہونچتا ہے، یہ سارا قصور ان کے زور بیاں کا ہے،

(۴) اصول نمبر ۲ میں ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اصلی بلاغت معنی کی بلاغت ہے، لہذا نذیر احمد کا کلام اگر بلیغ ہے تو پھر ان چند بے جوڑ اور غیر مانوس الفاظ کی سبک شکنہ چینیوں سے انکی بلاغت ہمیشہ بے نیاز رہیگی،

مگر ان کی ساری کتابوں کو پڑھکر ہر شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ مذہبی دائرہ سے ہٹنے کا نام نہیں لیتے، تاریخ کی طرف جسمیں تحقیق کے ساتھ ساتھ استخراج نتائج کی سخت ضرورت ہے وہ عموماً نہیں آتے، اور یہی انمیں ایک کمی ہے، ان کے خصوصیات انشا کی تلخیص یوں کی جاسکتی ہے،

(۱) وہ مذہبی دائرہ سخن میں رہکر فصاحت و بلاغت کا دریا بہا سکتے ہیں، مگر اس سے الگ ہوکر وہ دوسرے کوچہ میں قدم نہیں رکھتے، اور یہی ان میں ایک کمی ہے،

(۲) دہلی کی ٹکسالی زبان، کو انھوں نے ترقی دی اور اسپر جا بجا محاورات اور ضرب الامثال کی کثرت لڑیچر کی روح ہے، کلام نہایت فصیح اور بلیغ ہے،

پروفیسر آزاد کے خصوصیات سخن کو ہم دو طرح سے بتلانا چاہتے ہیں، ایک تو وہ جسکا خاص کر تاریخی یا دیگر قسم کے واقعات سے تعلق ہے، دوسرے وہ جو محض تخیلات یا افسانہ کی حیثیت رکھتے ہیں، تاریخی واقعات،

آزاد فرماتے ہیں،

حضرت عشق نے شادی کی تھی، اور محبت کے قاضی نے نکاح پڑھایا تھا، ہمایوں کو دم بھر جدائی گوارا نہ تھی، دن ایسے نحوست کے تھے کہ ایک جگہ قرار نہ ملتا تھا، ابھی پنجاب میں ہے، ابھی سندہ میں ہے، ابھی بیکانیر اور جیسلمیر کے ریگستانوں میں سرگرداں چلا جاتا ہے، پانی ڈھونڈھتا ہے تو منزلوں تک میسر نہیں جودھپور کا رخ ہے، کہ ادھر سے امید کی آواز آئی ہے، قریب پہنچ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ امید نہ تھی دغا آواز بدل کر بولی تھی، وہاں تو موت منہ کھولے بیٹھی ہے، ناچار الٹے پاؤں پھر آتا ہے، یہ سب مصیبتیں ہیں، مگر پیاری بی بی دم کے ساتھ ہے، کئی لڑائیوں کے مقاموں میں اس کے سبب سے خطرناک خرابیاں اٹھانی پڑیں، مگر اسے تعویذ کی طرح گلے لگائے پھرا، جب وہ جودھپور کے سفر میں تھا، تو اکبر ماں کے پیٹ میں باپ کے رنج و راحت کا شریک تھا، اس سفر سے پھرے اور سندہ کی طرف آئے، ایام ولادت بہت نزدیک تھے، اس لئے بیگم کو امرکوٹ میں چھوڑا اور آپ آگے پرانی لڑائی کو تازہ کیا، اس عالم میں ایک دن ملازم نے آکر خبر دی کہ مبارک، اقبال کا تارا طلوع ہوا، یہ تارا ایسے ادبار کے وقت جھلملایا تھا کہ کسی کی آنکھ ادھر نہ اٹھی، مگر تقدیر ضرور کہتی ہوگی کہ دیکھنا وہ آفتاب ہو کر چمکیگا اور سارے ستارے اسکی روشنی میں دھندلے ہو کر نظروں سے غائب ہو جائینگے،

ہمایوں کے پاس جب سوار یہ خبر لایا تو اسکی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ دائیں بائیں دیکھا کچھ نہ پایا، آخر یاد آیا کہ کمر میں ایک مشک نافہ ہے، اسے نکال کر توڑا اور ذرا ذرا سا مشک سب کو دیدیا کہ شگون خالی نہ جائے، اللہ اللہ تقدیر نے کہا ہوگا، کہ دل میلا نہ کیجیو، اس بچے کی شمیم اقبال مشک کی طرح تمام عالم میں پھیلیگی،[لہ]"

اس واقعہ کو پڑھو، آزاد نے ہمایوں کی پریشانی، حمیدہ بیگم سے اس کی شادی اور اکبر کی ولادت کے واقعات کی تصویر کس بلیغ اور دلستان انداز میں کھینچی ہے کہ واقعہ کی زندہ تصویر آنکھوں میں پھر گئی، یہی وہ بلاغت ہے جسپر جسقدر ناز کیا جائے بجا ہے، ملا بدایونی نے ہر چند عہد اکبری کی تاریخ لکھی مگر آزاد کی دربار اکبری کے گرد کو نہیں پہنچ سکتی، سبب اسکا یہ ہے کہ ملانے فقط اہم واقعات کو یکجا جمع کر دیا ہے اور درباری امراء پر کچھ لے دے کیا ہے، مگر آزاد نے اس زمانہ کی زندہ تصویر اور اکبر کے کرایکٹر کا مکمل خاکہ کھینچا ہے کہ گویا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی دربار لگا ہے، اور یہ حد درجہ کی بلاغت ہے، اکبر کی سواری کی کیفیت وہ یوں بیاں کرتے ہیں،

اب دولہا کے سامنے عروس دولت کی برات گذرتی ہے، نشان کا ہاتھی آگئے، اس کے بعد اور ہاتھیوں کی قطار، پھر ماہی مراتب اور اور نشانوں کے ہاتھی، جنگلی ہاتھی پر فولادی پاکھر بن، پیشانیوں پر ڈھالیں، بعض کی مستکوں پر دیوزادی نقش ونگار، بعض کے چہروں پر گینڈوں، ارنے بھینسوں اور شیروں کی کھالیں کلّوں سمیت چڑھی ہوئی ہیبت ناک صورت، ڈراونی مورت، سونڈوں میں گرز، برچھیاں تلواریں لے، سانڈنیوں کا سلسلہ جن کے سو سو کوس کے دم، گردن کھینچی، سینے تنے، جیسے لقا کبوتر، پھر گھوڑوں کی قطاریں، عربی ایرانی، ترکی ہندوستانی آراستہ پیراستہ ساز و یراق میں غرق، چالاکی میں برق اچھلتے چلتے

لہ دربار اکبری صفحہ ۲،

کودتے شوخیاں کرتے چلے جاتے تھے، ببر شیر پلنگ، چیتے گینڈے، بہتیرے
جنگل کے جانور سدھے سدھائے شائستہ چیتوں کے چھکڑوں پر نقش و نگار،
گل گلزار آنکھوں پر زر دوزی غلافنادہ اوراں کے بیل کشمیری شالیں،
مخمل و زربفت کی جھولیں اوڑھے، بیلوں کے سروں پر کلغیاں اور تاج سینگ
مصوروں کی قلمکاری سے قلمداں کشمیر، پاؤں میں جھانجن، گلے میں گھنگرو
چھم چھم کرتے چلے جاتے تھے، شکاری کتے کہ شیر سے منھ نہ پھرائیں، شکار کی
بو پر پتال سے تیا نکال لائیں[۱]"

یہاں سواری کی کیفیت کس پرزور عبارت میں بیان کی ہے، الفاظ کا زور شور
خصوصاً کس غضب کا ہے کہ گویا کوئی تفنگ چلا رہا ہے کہ رکنے کا نام نہیں لیتا،
ایک جگہ ذوق مرحوم کی خوش نصیبی کی داستاں لکھتے ہیں،

جب وہ صاحب کمال عالم ارواح سے کشور اجسام کی طرف چلا تو فصاحت کے
فرشتوں نے باغ قدس کے پھولوں کا تاج سجایا، جس کی خوشبو شہرت عام بنکر
جہاں میں پھیلی، اور رنگ نے بقائے دوام سے آنکھوں کو طراوت بخشی، وہ تاج
سر پر رکھا گیا تو آب حیات اس پر شبنم ہو کر برسا کہ شادابی کو کملاہٹ کا اثر
نہ پہونچے، ملک الشعرائی کا سکہ اس کے نام سے موزوں ہوا اور اس کے طغرائے
شاہی میں یہ نقش ہوا کہ اس پر نظم اردو کا خاتمہ کیا گیا، چنانچہ اب ہرگز امید
نہیں کہ ایسا قادر الکلام پھر ہندوستاں میں پیدا ہو، سبب اس کا یہ ہے کہ جس
باغ کا وہ بلبل تھا وہ باغ برباد ہو گیا، نہ ہمصفیر رہے، نہ ہمداستاں رہے،
نہ اس بولی کے سمجھنے والے رہے جو خراب آباد اس زباں کے لئے ٹکسال تھا،
وہاں بھانت بھانت کا جانور بولتا ہے، شہر چھاؤنی سے بدتر ہو گیا، امرا کے گھرانے

[۱] دربار اکبری صفحہ ۱۴۳، ۱۴۴،

تباہ ہو گئے، گھرانوں کے وارث علم و کمال کے ساتھ روٹی کپڑے سے محروم ہو کر حواس کھو بیٹھے، وہ جادوکار طبیعتیں کہاں سے آئیں جو بات بات میں دلپسند انداز اور عمدہ تراشیں نکالتی تھیں، آج جن لوگوں کو زمانہ کی فارغ البالی نے اس قسم کے ایجاد و اختراع کی فرصت دی ہے وہ اور اور کی شاخیں ہیں، انھوں نے اور پانی سے نشو و نما پائی ہے وہ اور ہی ہواؤں میں اڑ رہے ہیں[1]"

تم نے ان اقتباسات کو دیکھا، آزاد نے ان واقعات میں کسطرح انشا پردازی کی روح پھونکی ہے، واقعات اپنی اپنی جگہ پر کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتے، کسی میں محض اتنا ہے کہ ہمایوں نے اپنی پریشانی کے زمانہ میں حمیدہ بیگم سے شادی کی اور اکبر کی ولادت ہوئی، ایک میں ہے کہ اکبر کی سواری کی کیا کیفیت تھی، دوسرے میں ہے کہ ذوق مرحوم کی خوش نصیبی کا کیا عالم تھا، مگر آزاد نے کس فصاحت اور بلاغت کے ساتھ اسکو ادا کیا، غرضیکہ ان اقتباسات کا تعلق واقعات سے تھا جسکے اندر رہکر انھوں نے اپنی انشا پردازی کا جوہر دکھلایا ہے،

(۲) عام تخیلات کی چند مثالیں،

برسات کا سماں دکھلاتے ہیں،

برسات کا سماں باندھتے ہیں تو کہتے ہیں، سامنے سے کالی گھٹا جھوم کر اٹھی، ابر دھواں دھار ہے، بجلی کوندتی چلی آتی ہے، میاہی میں سارس اور بگلوں کی سفید سفید قطاریں بہاریں دکھا رہی ہیں، جب بادل گرجتا ہے اور بجلی چمکتی تو پرندے کبھی دبک کر ٹہنیوں میں چھپ جاتے ہیں، کبھی دیواروں سے لگ جاتے ہیں، مور جدا جھنگھارتے ہیں، پپیہے الگ پکارتے ہیں، محبت کا متوالا چنبیلی کی جھرمٹ میں آتا ہے تو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا مہک... کر پھوار بھی پڑنے لگی ہے، مست ہو کر وہیں

[1] آب حیات صفحہ ۴۳۵، ۶ ۳ ۴ ۷،

بیٹھ جاتا ہے اور شعر پڑھنے لگتا ہے[۵]"

پھر ایک جگہ فرماتے ہیں،

"جب صبح کا نور ظہور دیکھتا ہے، تو کہتا ہے دیگ مشرق سے دودھ ابلنے لگا، کبھی کہتا ہے دریائے سیاب موج مارنے لگا، کوئی مشرق سے کا نور آڑتا چلا آتا ہے، صبح تباشیر بکھیرتی آتی ہے یا مثلاً سورج نکلا اور کرن ابھی اسمیں نہیں پیدا ہوئے وہ کہتا ہے سنہری گیند ہوا میں اچھالی ہے، صبح طلائی تھالی سر پہ دھرے آتی ہے کبھی مرغان سحر کا غل، اور عالم نور کا جلوہ، آفتاب کی چمک دمک اور شعاعوں کا خیال کر کے صبح کی دھوم دھام دکھلاتا ہے، تو کہتا ہے، بادشاہ مشرق سبز خنگ فلک پر سوار، تاج مرصع سر پہ رکھے، کرن کا نیزہ لئے مشرق سے نمودار ہوا، شام کو شفق کی بہار دیکھتا ہے تو کہتا ہے مغرب کی چھپر کھٹ میں آفتاب نے آرام کیا اور شنگرفی چادر تان کر سو رہا، کبھی کہتا ہے جام فلک خون سے چھلک رہا ہے، نہیں مغرب کے ایوانوں میں آگ لگی ہے، تاروں بھری رات میں چاند کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے لاجوردی چادر میں ستارے ٹنکے ہوے ہیں، دریائے نیل میں نور کا جہاز چلا جاتا ہے اور روپے کی مچھلیاں تیرتی پھرتی ہیں[۶]"

حق تو یہ ہے انسان عبارتوں پر جھومتا اور ناز کرتا ہے، کثرت تشبیہات نے کلام کو بالا تر بنا دیا ہے۔

آزاد فسانہ کے طور پر اپنے ایک خواب کو بیان کرتے ہیں،

یکایک آنکھ لگ گئی، دیکھتا ہوں ـــــ کہ میں ایک باغ نو بہار میں ہوں جسکی وسعت کی انتہا نہیں، امید کے پھیلاؤ کا کیا ٹھکانا ہے، آس پاس سے لیکر جہانتک نظر کام کرتی ہے تمام عالم رنگین اور شاداب ہے، ہر چمن رنگ و روپ کی دھوپ سے

[۵] آب حیات صفحہ ۸۰، [۶] آب حیات صفحہ ۸۰،

چمکتا، خوشبو سے مہکتا، ہوا سے لہکتا نظر آتا ہے، زمیں فصل بہار کی طرح گلہائے گوناگوں سے بوقلموں ہو رہی ہے، اور رنگارنگ کے جانور درختوں پر چہچہے بھر رہے ہیں یہ سماں ہا آکا دلپذیر ایک عالم طاری ہوا کہ سرتا پا محو ہو گیا، جب ذرا ہوش آیا تو ان جنہائے دلکشا کو نظر غور سے دیکھا اور ایسا معلوم ہوا کہ اگر آگے چلوں تو شگفتگی اور تفریح کا لطف زیادہ ہو، پھر دیکھا کہ تھوڑی ہی دور آگے رنگیلے چمکیلے پھول کھلے ہوئے ہیں، آب زلال کے چشمے دھوپ کی چمک سے جھلمل جھلمل کر رہے ہیں اونچے اونچے درخت جھنڈ کے جھنڈ چھائے ہوئے ہیں، جو جانور دھیمی دھیمی آواز سے بولتے سنائی دیتے تھے یہاں خوب زور شور سے چہکار رہے ہیں، چاروں طرف ہرے ہرے درخت لہلہاتے ہیں اور پھول اپنی خوشبو سے مہک پھیلاتے ہیں[۵]،

ان چند اقتباسات سے ان کی ہر مضمون پر بے نظیر قادر الکلامی کا کافی ثبوت ملتا ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ الفاظ کی شیرینی اور ان کی سوز دنیت اس درجہ کی ہے کہ انشاپرداز کا خاتمہ کیا جائے، مضمون اسقدر دل میں گھر کرنیوالا ہے کہ بلاغت کی جان اسپر فدا ہے، لیکن ان کے کلام میں بعض بعض جگہ انگریزی وغیرہ کے غیر مانوس الفاظ بھی آگئے ہیں جو ایک حد تک ثقیل معلوم ہوتے ہیں، مثلاً ایکٹریسٹی، بل ڈاگ[؟]، کڈھب، اگاڈز وغیرہ وغیرہ، مگر غور سے دیکھو تو اسکا بھی یہی جواب ہے جو ہم علامہ نذیر احمد کے متعلق دیکھ چکے ہیں، ان کے خصوصیات انشا کا خلاصہ یوں ہوگا،

(۱) وہ تاریخی واقعات اور اس سے الگ ہو کر یعنی عام تخیلات ہر دو اصناف پر کامل مہارت اور قدرت رکھتے ہیں، خلاصہ یہ کہ وہ کسی چیز یا سہارے کے محتاج نہیں، ہر مضمون پر یکساں قادر ہیں،

[۵] نیرنگ خیال صفحہ ۲۵، ۲۶،

(۲) انکا کلام نہایت فصیح اور بلیغ ہے، کلام میں کثرت محاورات تشبیہات، استعاروں کی دلفریبی شاعرانہ تخئیل، عبارت کی بیساختگی اور برجستگی لڑیچر کی جان ہیں،

آپ کے سامنے ہر شخص کے خصوصیات کلام ان کے عیوب و نقائص اور ہر شخص کے ادبی معرکہ آرائیوں کی داستان پوری طرح سے بیان کردی گئی خود ہی فیصلہ کو قلم ہاتھ میں لیجئے اور انصاف سے دیکھئے کہ کس کو ترجیح دیجائے خاکسار کا فیصلہ تو یہ ہے کہ اردو کا سب سے بڑا انشا پرداز ان میں آزاد ہے اسکا سبب یہ ہے کہ مذکورہ بالا تقریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شبلی ہیں کہ ان کے سارے ادبی کارنامے محض تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ وابستہ ہیں، اس سے الگ ہوکر یعنی اگر تاریخ ان سے لے لیجائے تو وہ کچھ نہیں رہجاتے انکا کلام فصیح اور بلیغ ہے، البتہ محاورات روزمرہ تشبیہات اور استعارات وغیرہ کی جو حسن کلام کے زیور ہیں انکے یہاں بہت کمی ہے حالی یہ ہے کہ وہ محض سیرت نگاری کے استاذ ہیں، انکا کلام فصیح اور بلیغ ہے، اس سے الگ ہوکر وہ بہت کچھ لکھ سکتے ہیں مگر یہ انکا اصلی کمال نہیں، نذیر احمد کی ساری فصاحت و بلاغت مذہب کے میدان میں کام آسکتی ہے، مگر ان کے کلام میں سوقیت بھی بہت زیادہ ہے،

مگر آزاد، شبلی حالی اور نذیر احمد کی طرح کسی خاص فن کے دائرہ میں مقید نہیں وہ ہر مضمون پر نہایت کامیابی کے ساتھ لکھ سکتے ہیں، خواہ انکا تعلق واقعات سے ہو یا تخیلات سے، اور اعلےٰ درجہ کی انشا پردازی کا یہی کمال ہونا چاہیے، دوسری بات یہ ہے کہ اگرچہ ان تینوں بزرگوں کا کلام فصیح اور بلیغ ہے مگر آزاد کے کلام کو استعاروں کی دلفریبی شاعرانہ تخئیل اور تشبیہات و محاورات کی کثرت کی وجہ ان کے کلام پر فوقیت ہے، غرضیکہ مجموعی حیثیت سے آزاد کو اوروں پر ترجیح ہے،

ملک کا ایک انشا پرداز لکھتا ہے،

"سر سید سے معقولات الگ کر لیجئے تو کچھ نہیں رہتے، نذیر احمد بغیر مذہب کے لقمہ نہیں توڑ سکتے، شبلی سے تاریخ لے لیجئے تو قریب قریب کورے رہجائیں گے، حالی بھی جہانتک نثر کا تعلق ہے سوانح نگاری کے ساتھ مل سکتے ہیں، لیکن آقائے اردو یعنی پروفیسر آزاد صرف انشا پرداز ہیں جنکو کسی سہارے کی ضرورت نہیں، اس لئے واقعات بھی انھوں نے جسقدر لکھے ہیں قصص (ٹیلز) کی حیثیت رکھتے ہیں جنھیں افسانۂ یاراں کہن سمجھئے"[۵]

اب اردو کی خدمت کا سوال ہے کہ اسکی سب سے زیادہ ان بزرگوں میں سے کس نے خدمت انجام دی، چنانچہ ہم ہر شخص کے متعلق اس کے دائرہ سخن کے حدود کی تعیین کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ کس نے کس فن میں کسقدر تصانیف چھوڑی ہیں، تاکہ آسانی کے ساتھ اس امر کا فیصلہ کیا جاسکے،

مولانا حالی کے کارنامے،

(۱) ادب میں مقدمہ شعر و شاعری، دیوان حالی اردو مسدس حالی، بیوہ کی مناجات، چپ کی داد، وغیرہ،

(۲) فن سیرت میں حیات سعدی، حیات جاوید، یادگار غالب،

نذیر احمد کے کارنامے،

(۱) ادب میں مراۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح، رویائے صادقہ، الحقوق والفرائض، اجتہاد، مبادی الصرف۔

(۲) فن منطق میں مبادی الحکمۃ،

مولانا آزاد کے کارنامے،

[۵] افادات مہدی صفحہ ۲۱۶،

(۱) ادب میں۔ آب حیات، نیرنگ خیال، سخنداں پارس، مجموعہ نظم اردو، نصیحت کے کرن پھول، دیباچہ دیوان ذوق، مکتوبات آزاد، سیر ایران، قند پارسی وغیرہ،

(۲) فن تاریخ میں۔ دربار اکبری،

(۳) فن سیرت میں۔ نگارستان فارس (شعرا فارسی کی مختصر سوانح) علامہ شبلی کے کارنامے،

(۱) ادب میں۔ شعر العجم ۵ جلدوں میں، مجموعہ کلام شبلی اردو، مثنوی صبح امید، مکاتیب شبلی دو حصہ میں،

(۲) فن سیرت میں سیرت نبوی دو جلدوں میں، سیرت النعمان، الفاروق، الغزالی، المامون، سوانح مولانا روم،

(۳) تاریخ میں۔ مقالات شبلی، (تاریخی مضامین کا مجموعہ) عالمگیر پر ایک نظر، رسائل شبلی، وغیرہ

(۴) فلسفہ میں۔ علم الکلام، الکلام،

(۵) مذہبیات میں۔ ظل الغمام فی قرأۃ خلف الامام،

اسکے علاوہ علامہ حیدرآباد میں انجمن ترقی اردو کے سکریٹری رہ چکے ہیں، وہاں ان کے اہتمام میں السنہ یورپ کی بہتری کتابوں کا اردو میں ترجمہ ہوا، انمیں فلسفہ اجتماع، اور تاریخ تمدن، خاص طور پر قابل ذکر ہیں،

الندوہ کے سرپرست رہکر مدت تک انھوں نے اردو زبان کی خدمت کی اب ہر شخص کے علمی کارنامے آپ کے سامنے موجود ہیں، اور بجز علامہ شبلی کے کسی نے مذکورہ بالا فنوں میں کافی کتابیں نہیں لکھیں، نذیر احمد نے افسانے کے طور پر چند رسالے لکھدیے، تاریخ سیرت اور فلسفہ کی طرف انھوں نے آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا

مولانا حالی نے فن سیرت اور کچھ ادب میں کتابیں لکھ کر اپنا کام ختم کردیا، لہذا نذیر احمد اور حالی تو خدمت کے لحاظ سے علامہ شبلی کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اب رہے آزاد تو انکی زیادہ کتابیں فن ادب ہی میں ہیں، فلسفہ یا فن سیرت میں انھوں نے کچھ نہ لکھا، البتہ نگارستان فارس فن سیرت میں ایک مختصر سا رسالہ ہے، مگر علامہ نے فن ادب کے علاوہ سیرت اور فلسفہ میں بھی متعدد کتابیں لکھیں، یہی وہ سبب ہے جس سے کہنا پڑتا ہے کہ اردو زبان کی سب سے زیادہ انجام دینکا سہرہ علامہ شبلی کے سر ہے، دوسری حیثیت سے دیکھیں تو یہ حضرات مولانا کے پاسنگ کو بھی نہیں پہونچے، اسکی وجہ یہ ہے کہ اردو میں فن تاریخ اور سیرت وغیرہ کی بہتیری کتابیں پہلے ہی سے موجود تھیں، مولوی ذکاء اللہ نے دس ضخیم جلدوں میں ہندوستان کی اسلامی اور برٹش حکومت کی مفصل تاریخ لکھی، فسانہ عجائب ادب کی بہترین کتاب موجود تھی، مگر اسلام کے تاریخی واقعات کی سچی داستان کسی کو معلوم نہ تھی،

علم کلام اور فلسفہ یونان کے متعلق زبان اردو میں کچھ ذخیرہ نہ تھا، لیکن علامہ شبلی نے اس خدمت کا بار گراں اپنے سر لیا اور مدتوں کی دماغ پاشی اور طرح طرح کی جانفشانیوں کے بعد اسلامی واقعات کی تحقیق کی (جو کہ رسائل شبلی میں مل سکتے ہیں) اور علم الکلام اور الکلام لکھ کر اس کمی کو ایک حد تک پورا کیا، علامہ کی سب سے بڑی اردو زبان کی خدمت دار المصنفین کا قائم کرنا ہے جسکے اردو زبان کی خدمات کا سلسلہ ہمیشہ غیر فانی رہیگا، ملک کا ایک مشہور انشا پرداز لکھتا ہے،

"نذیر احمد ابنی لائق رشک عربیت کے ساتھ کچھ یوں ہی سے رہے، یادش بخیر! حالی نے مسدس کے ساتھ مقدمہ شعر و شاعری اور حیات جاوید لکھکر اپنا ٹھکانا کر لیا، لیکن شبلی قطعاً غیر فانی ہیں، آج ہزاروں صفحے متعدد جلدوں میں ان کے قلم سے نکل چکے ہیں، اور جس موضوع پر

جو کچھ لکھا گیا ہے کسی زبان میں اس سے بہتر مجموعۂ خیال موجود نہیں[۵۵]"
اسلئے علامہ شبلی کی خدمات سب سے اعلےٰ او ارفع ہیں۔

الراقم محمد یوسف متعلم مدرستہ الاصلاح سرائمیر، ڈاکخانہ
سرائمیر، ضلع اعظم گڈھ،

[۵۵] افادات مہدی صفحہ ۱۰۰،

کتب مصنفہ شمس العلماء ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد مرحوم و مغفور

حمائل شریف مجلد۔ ترجمہ بین السطور مع فہرست مضامین و فرہنگ الفاظ اردو مغر و مفسر بین ساتھ۔ لکھنے کے قابل قیمت ۔۔۔ عہ/

دہ سورہ فی احسن سورہ۔ مترجم پنجسورہ کی جگہ۔ وظیفہ پڑھنے والون کے لیے بہت ضروری ہے۔ قیمت ۔۔۔ ۱۰/

ادعیۃ القرآن۔ قرآن شریف کی ساری دعائین مع ترجمہ و خواص ۔۔۔ قیمت ۱۲/

الحقوق و الفرائض (۳ جلد) مذہب اسلام کے سارے مسائل کا مجموعہ۔ قرآن شریف کی آیات و احادیث کے ساتھ ۔۔۔ ۳/

اجتہاد۔ اسلام کی حقانیت کا دلائل و براہین قاطعہ سے اثبات۔ جو مسلمان اپنے عقیدہ مین پکا ہونا چاہے وہ اس کتاب کو ضرور دیکھے ۔۔۔ عہ/

نظم بے نظیر۔ مولانا مرحوم کی نظمون کا مجموعہ۔ بصراحت اس امر کے کہ کہاں اور کس موقع پر پڑھی گئی۔ قیمت ۔۔۔ عہ/

مراۃ العروس۔ لڑکیون کو امور خانہ داری اور سلیقہ سکھانے کی سب سے بہتر کتاب۔ اصغری اکبری کا قصہ قیمت ۱۲/

بنات النعش۔ مراۃ العروس کا دوسرا حصہ ۔۔۔ قیمت ۹/

توبۃ النصوح۔ عورتون کو نیک کرداری اور مذہبی و اخلاقی تعلیم دینے کا بہترین طریقہ۔ قیمت ۔۔۔ ۱۰/

محصنات۔ تعدد ازدواج کے روح فرسا نتائج۔ قیمت ۔۔۔ ۳/

رویائے صادقہ۔ مختلف مذاہب کا مقابلہ اسلام سے۔ قیمت ۔۔۔ عہ/

ایامیٰ۔ بیواؤن کے حالات کا دردناک فوٹو۔ قیمت ۔۔۔ عہ/

ابن الوقت۔ انگریزی وضع کی کورانہ تقلید کے تباہ کن نتائج۔ قیمت ۔۔۔ عہ/

موعظہ حسنہ۔ مولانا کے اصلی نصیحت آمیز خطوط فرزند کے نام ۔۔۔ ۳/

منتخب الحکایات۔ بچون کے لیے چھوٹی چھوٹی دلچسپ نتیجہ خیز کہانیان۔ قیمت ۔۔۔ ۲/

چند پند۔ مفید و نصیحت آمیز مختلف مضامین کا مجموعہ بچون کے لیے۔ قیمت ۔۔۔ ۲/

صرف صغیر۔ اردو زبان مین فارسی گرامر۔ قیمت ۔۔۔ ۲/

نصاب خسرو۔ جدید طرز کی خالق باری۔ قیمت ۔۔۔ ۲/

رسم الخط۔ املانویسی کے قواعد لڑکون کے لیے۔ قیمت ۔۔۔ ۲/

مبادی الحکمۃ۔ سلیس اردو مین عربی منطق کے قواعد۔ قیمت ۔۔۔ ۳/

ما ینفعک فی الصرف۔ صرف عربی کی بہترین گرامر اردو مین۔ قیمت ۔۔۔ ۱۲/

لکچرون کا مجموعہ۔ دو جلدون مین ۲۴ لکچر الگ الگ جسکے فہرست نوٹ کئے ہین۔ قیمت ۔۔۔ عہ/

مطالب القرآن۔ قرآن شریف کی تفسیر کا پہلا حصہ جتنا لکھا جا چکا تھا چھاپ دیا گیا۔ قیمت ۔۔۔ عہ/

ملنے کا پتہ:۔ الناظر بک ایجنسی۔ لکھنؤ